© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد ایوب قادری

ردِّ عیسائیت میں علمائے کرام کی کوششیں

برصغیر ہند پاکستان میں جس قدر ایسٹ انڈیا کمپنی کا غلبہ اور اقتدار بڑھتا چلا گیا اسی اعتبار سے مغربی تہذیب و تمدن اور عیسائیت کی نشر و اشاعت کے لیے میدان ہموار ہوتا گیا۔ باقاعدہ مشن قائم ہوئے۔ پادریوں نے ہندوستان کی مختلف زبانیں سیکھیں، اور اپنا لٹریچر ان زبانوں میں شائع کر کے عیسائیت کی اشاعت کی کوشش کی۔ انھوں نے چھاپے خانے قائم کیے اخبار اور رسالے نکالے۔ چرچ، مشن، بائبل سوسائٹیاں، ریلیجس کمیٹیاں، ہسپتال، اسکول، کالج اور یتیم خانے کھولے گئے۔ ان اداروں کے ذریعے برصغیر میں عیسائیت پھیلانے کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ مشنریوں کا نشانہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمان مات کھا گئے تو میدان صاف ہے۔ علمائے کرام نے پادریوں کا بڑی پامردی اور ہمت سے مقابلہ کیا۔ تحریر و تقریر کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ردّ عیسائیت میں اچھا خاصا لٹریچر پیدا ہو گیا۔ یہاں ہم ۱۸۵۷ء سے قبل کے چند ان ممتاز علمائے کرام کی مساعی جمیلہ کا ذکر کر رہے ہیں جنھیں ردّ عیسائیت میں امتیاز و خصوص حاصل ہے۔

ردّ النصاریٰ

عیسائیت کے ردّ میں سب سے پہلی مطبوعہ کتاب ہماری معلومات کے مطابق "ردّ النصاریٰ" ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ۱۲۲۶ھ میں لکھی گئی ہے اور اسی سال طبع ہوئی ہے۔ مطبع و مقام طباعت اور مصنف کا نام درج نہیں ہے[۵]۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عیسائی حکومت کے اقتدار کی وجہ سے مصنف نے اپنا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ مختصر سا رسالہ ہے جس میں ایک عیسائی کے سوالوں کے جواب ایک محمدی نے دلنشین انداز میں دیئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو[۶]:

"جتنے نبی اللہ کے ہوتے آئے ہیں، ہر ایک کو اون کی استعداد موافق، اللہ تعالیٰ نے قدرت دی تھی کہ کافروں سے اپنی اپنی حجت تمام کریں، ویسا ہی ہر ایک زمانے میں کفار جیسے جیسے معجزہ طلب کرتے تھے ویسے ویسے بتلاتے گئے۔ کوئی ایسا نبی نہ ہوا جس سے حجت نبوت کی پوری نہ ہوئی ہو۔ اگرچہ بہت لوگ ایمان لائے اور بہت سے کافر بھی رہ گئے، پر ہمیں یہ کہنے کا مقدور نہیں کہ فلانے نبی ایسے تھے اور فلانے ایسے، ہم ان کو مانیں گے اور ان کو نہیں۔ ان ہی باتوں سے بہت سے بدبخت، کافر بھی رہ گئے۔ چنانچہ زمانِ عیسیٰ میں بھی باوجودیکہ عیسیٰ معجزہ سے مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور لنج کو ہاتھ پیر بخشتے تھے تس پر بھی یہودی کہتے تھے کہ عیسیٰ سچ پیغمبر نہ تھا بلکہ ساحر تھا۔ اور موسیٰ نے اوس کے آنے کی ہمیں خبر بھی نہ دی پھر کیوں ہمیں اوس پر ایمان لاویں اور اوس کی بات مانیں آخر کافر کے کافر ہی رہ گئے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ جن کو کافر اور لعنتی کرتا ہے تو اون کی آنکھوں کو ازل سے نورِ حق بینی کا نہیں دیتا اور جن کو مقبول کیا چاہتا ہے تو ان کی آنکھوں کو آگے ہی سے بصارت حق بینی کی بخشتا

---

[۵] مولوی امداد صابری نے خلاصہ صولۃ الضیغم کے متعلق لکھا ہے کہ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو ردِ عیسائیت میں طبع ہوئی ہے حالانکہ رسالہ "ردّ النصاریٰ" اس سے سولہ سال قبل طبع ہوا ہے۔ (فرنگیوں کا جال صفحہ ۱۲۵) یہ کتاب کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (کراچی) میں ہے۔ بمبئی کی چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

[۶] ردّ النصاریٰ صفحہ ۲۰-۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تاکہ نور ایمان کا پاویں۔"

مولوی رحمت اللہ کیرانوی رحمہ

مولوی رحمت اللہ بن شیخ خلیل اللہ عثمانی کو ردِّ عیسائیت میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔ مولوی رحمت اللہ قصبہ کیرانہ (ضلع مظفرنگر) میں ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کیرانہ میں حاصل کی، پھر دہلی پہنچے اور مولوی محمد حیات کے مدرسے میں داخل ہوگئے پھر لکھنؤ میں مفتی سعد اللہ سے تحصیل علم کی فراغتِ علمی کے بعد کیرانہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس درسگاہ سے بہت علمی فیض جاری ہوا۔ مولوی رحمت اللہ نے عیسائیت کا بڑے زور وں سے رد کیا۔ پادری فنڈر سے آگرہ میں ۱۰-۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء کو تاریخی مناظرہ کیا جس میں پادری مذکور کو تحریفِ انجیل کا اقرار کرنا پڑا اور شکست ہوئی۔ اس مناظرہ کی پوری روداد البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ مولوی رحمت اللہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زور وشور سے حصہ لیا، جس کے نتیجہ میں حجاز ہجرت کرنی پڑی۔ مکہ میں مولوی رحمت اللہ نے کلکتہ کی ایک خیر خاتون صولت النساء بیگم کی مالی امداد سے مدرسہ صولتیہ قائم کیا، جس کا فیض آج تک جاری ہے۔ مولوی رحمت اللہ کا انتقال ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء میں ہوا۔ مولوی صاحب نے ردِ عیسائیت میں بڑی معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے اظہار الحق، اظہار الشکوک، ازالۃ الاوہام، احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث، معیار التحقیق اور اعجازِ عیسوی طبع و شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ ان کے علاوہ معدل اعوجاج المیزان، تقلیب المطاعن اور بروق لامعہ غیر مطبوعہ ہیں۔ [۵۱]

اعجازِ عیسوی

اس کتاب میں مولوی رحمت اللہ نے ثابت کیا ہے انجیل بالکل غیر معتبر ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۳ء میں اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ چھ سو صفحے کی ضخیم کتاب ہے۔ مطبع نعیمیہ اکبرآباد (محلہ پھلی اینٹ) میں طبع ہوئی ہے۔ آغازِ کتاب میں لکھتے ہیں [۵۲]

---

۵۱ مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از محمد سلیم (کراچی، ۱۹۵۹ء)

۵۲ استفسار از مولوی رحمت اللہ کیرانوی صفحہ ۸ (مطبع صفیہ آگرہ ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لاکھ لاکھ شکر اور تعریف اس خدائے پاک کو جس نے ہم کو اپنے رسول مقبولؐ کے طفیل سے خلعت ایمان سے ممتاز کر کے وہ توفیق دی کہ شبہوں اور اعتراضوں، منکروں اور ملحدوں کو جو اون سے بہ نسبت ملتِ حقہ محمدیہ کے تعصب یا سفاہت سے سرزد ہوئے یا ہوتے ہیں، دفع کریں اور اپنے فضل بے حد سے اون خرابیوں پر جو اگلی کتب میں بسبب خباثت ملحدوں یا بہ سبب شرارت ان لوگوں کے ...... واقع ہوئی تھیں ایسا مطلع کیا کہ آسانی سے ہم کو ممکن ہوا کہ اثبات تحریف کا ان کتابوں میں کر سکیں اور ہزار ہزار درود سردار انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ...... جن کے وسیلے سے نقش گمراہی اور کفر کا اکثر جا سے اٹھا، اور پودا توحید کا دلوں میں ثلعت کے بجائے خار و خشک بت پرستی اور آتش پرستی اور تثلیث کے جما ....

اس رسالے میں ایک مقدمہ اور تین مقصد اور ایک خاتمہ ہے اور نام اس کا اعجاز عیسوی رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ موافق نام اس کے کے اس کو کرے اور خاتمہ اس کے مؤلف کا بخیر فرما کے اوس کو قرب جوار رحمت اپنی میں رکھے اور شروع اور اختتام اس رسالے کا ۱۲۷۰ھ ایک ہزار دو سو ستر ہجری میں ظہور میں آیا[1]

ایک نمونہ ملاحظہ ہو :۔ سلی

"الحاصل اگر ہم ان وجوہ و دلائل کو جو کتب مقدسہ کے محرف و منسوخ ہونے کی بابت اب تک مذکور ہوئیں مختصر طور پر بیان کریں تو اونھیں دلیلوں سے صاف ثابت و ظاہر ہے کہ محمدیوں کا دعویٰ ٹھیک اور بجا ہے اور عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ کتب مقدسہ نہ کبھی منسوخ ہوئیں نہ محرف، سراسر لغو

---

[1] استفسار صفحہ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے بنیاد بلکہ یقینی کلی ہے کہ پرانے اور نئے عہد کی کتابیں ہمہ وقت میں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور پیچھے تحریف و تبدیل ہوئیں۔ پس وہ عیسائی شخص جو حقیقت کا طالب ہے ان کتابوں کو محرف و منسوخ پائے گا، اوس کو لازم ہے کہ اون کتابوں سے ہاتھ اوٹھا کر اپنی نجات کی راہ ڈھونڈھے اور سچے دل سے قرآن شریف پر ایمان لاکر نجات حاصل کرے۔ لہذا ہم اس فصل کو تمام کرکے صاف دل عیسائیوں کی ہدایت کے لیے خاتمہ کے لکھنے پر متوجہ ہوئے ہیں اس میں دین عیسوی کا حال مجملاً بیان کریں گے کیونکہ تفصیلاً لکھنے کے لیے بڑی کتاب چاہیے۔ ہاں اگر زمانہ فرصت دے گا تو اس بات میں ایک مستقل رسالہ لکھا جائے گا۔"

مولوی عباس علی ساکن جاجمئو

مولوی عباس علی کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ قصبہ جاجمئو (ضلع کانپور) کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام ناصر علی بن فضل اللہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ انھوں نے ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں عیسائیت کے رد میں ایک کتاب صولۃ الضیغم لکھی۔ یہ کتاب بہت ضخیم اور طویل ہوگئی، اس کتاب کا خلاصہ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں مطبع سنگیں (لکھنؤ) میں خلاصہ صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریمؑ کے نام سے طبع ہوا۔ خلاصہ صولۃ الضیغم ردِ عیسائیت میں بہت اہم کتاب ہے۔؎

اس کتاب میں پادریوں کے عام اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے جاتے تھے۔ یہ کتاب بارہ فصول یعنی عنوانات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا انداز استدلال الزامی ہے اور اس سلسلہ میں عیسائیوں کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

مولوی عباس علی نے امام غزالی کی کتاب دقائق کا اردو ترجمہ "صبح کا ستارہ" کے نام

؎ خوش قسمتی سے ہمارے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ (محمد ایوب قادری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ت ۱۲۴۹ھ میں کیا ہے۔ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے۔

خلاصہ صولۃ الضیغم کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: ٥؎

"حمد کے لائق ہے خدائے وحید — کوئی نہیں جس کا شریک و ندید
حمد کے لائق ہے وہ رب قدیر — جس نے مسیحا کو بنایا بشیر
تا بجہِ آمدِ احمدؐ کہے — مدح محمدؐ کرے جب تک رہے
کون محمدؐ وہ شفیع الامم — جانِ جہان مخزن لطف و کرم
احمد مرسل شرف انس و جان — فخرِ زمان سرورِ پیغمبراں
مہ کو دو پارہ کیا انگشت سے — مہرِ نبوت تھی عیاں پشت سے

اب جاننا چاہیے کہ راقم اس رسالے کا عباس علی بن ناصر علی بن فضل اللہ فاروقی جاجموی کہتا ہے کہ آگے میں نے کتاب "صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم" مذہب نصاریٰ کے رد میں جمع کی تھی لیکن جو اس کا حجم بہت تھا اس واسطے میں نے یہ مختصر ترتیب دیا جس کو اس میں کسی طرح کا شبہ پڑے وہ اصل کی طرف رجوع کرے۔"

اب صولۃ الضیغم کا انداز تحریر ملاحظہ ہو: ٦؎

"جہالت کا اندھیرا عالم میں پھیل گیا تب خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرکے اپنے نور سے مکہ کو درخشاں کیا، وہی نور عوام و خواص کا رہنما ہوا۔ مکہ شہر جامع بن گیا۔ چاروں طرف سے خلق سمٹ کر اوس میں آئی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لائی۔ اب بھی دور دور ملکوں سے ہر قسم کے آدمی ہر سال حج کے واسطے اس میں جمع ہوتے ہیں۔ بھلا یہ رتبہ اورشلیم کو کہاں حاصل۔ اور اونٹوں کی افراط مکہ میں اس قدر ہے کہ اور ملکوں میں نہیں۔ خوب اونھیں کا گوشت کھاتے ہیں، اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں، اونھیں کے بالوں سے

٥؎ [illegible] صفحہ ۳۶ - ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبائیں اور نمدے اور قالین وغیرہ بناتے ہیں، اون پر سوار بھی ہوتے ہیں، اور بوجھ بھی لادتے ہیں۔ اسی سبب سے اصحاب تجربہ کہہ گئے ہیں کہ عرب کا تمام کاروبار اونٹ سے ہے اور ہند کا بیل سے اور ایران کا خچر سے۔" اور مدیان ابراہیم کے بیٹے کا نام تھا جو قطورہ سے پیدا ہوا تھا اور ایفا، مدیان کا بیٹا تھا سو ان دونوں نے اپنے نام سے دو شہر آباد کیے۔ اور نباوث اسمٰعیل کے پہلے بیٹے کا نام تھا اور قیدار دوسرے کا۔ یہ سب کتاب پیدائش کے ۲۵ میں ہے۔ سو ان دونوں کے بھاری گلے اور بھیڑیں یعنی تمام اولاد جا بجا سے مکہ میں آکر جمع ہوئی اور اون کے خادم و مجاور بنے۔ اور جو مکان کہ ایسا محمود و متبرک ہو ظاہر ہے کہ اوس کے خادم بھی محمود و متبرک ہوں گے۔ پس ثابت ہوا کہ اسماعیلیوں کو آخر زمانہ میں رتبہ ملے گا سو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں ملا۔"

مولوی محمد دہلوی عرف حافظ ابوالمعین

مولوی محمد دہلوی نے اردو زبان میں عیسائیت کے رد میں ایک کتاب "تشخیص المقال" ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء میں لکھی ہے[51]۔ جو ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں مرزا قدرت اللہ بیگ کی فرمائش پر مطبع مصطفائی محمد حسین خاں کشمیری دروازہ (دہلی) میں طبع ہوئی ہے۔ مصنف شروع کتاب میں لکھتے ہیں:[52]

"سب ناظرین پر بخوبی واضح رہے کہ اکثر علمائے مسیحی زبان عربی اور فارسی میں خوب مہارت نہیں رکھتے ہیں بلکہ بعضے صاحب صاف صاف اردو بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے میں نے چاہا کہ یہ رسالہ زبان اردو میں تحریر

---

51 مولوی امداد صابری نے ۱۲۷۰ھ کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مولوی محمد مؤید الدین خاں معتمد عدالت کوتوالی سرکار نظام (حیدرآباد دکن) نے عربی زبان میں ایک کتاب تشخیص المقال رد نصاریٰ میں لکھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ان کے بیٹے محمد محی الدین خاں نے کیا جو ۱۹۰۸ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ میں طبع ہوا۔ ملاحظہ ہو "فرنگیوں کا جال" صفحہ ۳۰۶

52 تشخیص المقال از مولوی محمد دہلوی صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروں اور بجز الفاظ روزمرہ وعام فہم کے کسی لغت ادق نادرہ اجنبی کو دخل نہ دوں اور مطالب کو بکمال تہذیب و توضیح تقریر کروں اور دلائل نہایت ایجاز و اختصار سے کہوں :

"اب مجھے[1] تشخیص اس امر کی ضروری ہے کہ آیا کسو وجہ سے قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا محل شک ہے یا نہیں ؟ میرے نزدیک ہرگز کسو طرح محل شک نہیں اور علمائے مسیحی کی سعی اس بات میں نقش بر آب ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو جو علامات کلام الہامی کی علمائے مسیحی ایجاد کرتے ہیں وہ سب بوجہ اکمل و اتم قرآن شریف میں موجود ہیں اور خود آیات و نظم قرآن مجید حسب اقبال زبان دانوں عرب کے کہ معاندین دین مقر گواہ ہیں کہ یہ کلام بشر نہیں خاص خدا کا کلام ہے اور جو کوئی ذرا بھی براہ انصاف دیکھے اوسے بھی کلام الٰہی ہونا ظاہر ہوتا ہے مگر علمائے مسیحی کا براہِ عناد انکار چلا یاتا ہے۔ اگر غور سے اقصر سورہ قرآن شریف کو آدمی دیکھے تو جو اوس اقصر سورہ بلکہ بعض ایک آیت میں ہدایت اور ارشاد اور حکمت اور معرفت و سداد پاوے گا۔ تمام کتب عہد عتیق و عہد جدید میں بھی اوس قدر نہ دیکھے گا۔"

شجاع الدین علی بہاری

مولوی شجاع الدین علی بہاری کے والد کا نام مولوی تیم اللہ بہاری ہے۔ مولوی شجاع الدین ایک علمی خاندان کے فرد تھے، تمام علوم مروجہ میں فضیلت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے مذہب کے متعلق لکھتے ہیں :

"سنی بے تعصب اور شیعہ بے تبرا مذہب آبائی ہمارا ہے۔"

تعزیہ داری کے جواز میں اردو زبان میں ایک رسالہ لکھا جو ۱۲۶۲ھ میں چھپرہ میں طبع ہوا راجہ رام موہن رائے اور عیسائیت کے رد میں دو رسالے اردو میں لکھے۔

---

[1] تشخیص المقال صفحہ ۸۶ - ۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحفۂ مسیحہ

مولوی شجاع الدین علی نے عیسائیت کے رد میں اُردو زبان میں تحفۂ مسیحہ لکھا ہے۔ اس کا انداز بیان سلیس نہیں ہے۔ قدیم زبان ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

"چونکہ بادشاہ و حاکم اس ملک کے عیسائی ہیں، اکثر پادریان عیسائی نے صدہا رسالہ مغالطہ حیا کہ کفر و ضلالت یہ ابطال مذہب ہندو و مسلمان کے لکھ کر چھاپ کر واسطے اغوائے ہندو و مسلمان کے لوگوں کو بلا قیمت دیتے ہیں، و اہل اسلام بسبب ...... و غلبہ عیسائیوں کے کچھ جواب اس کا باوجود اس کے کہ وہ رسالے سراسر لغو بے معنی و محض مغالطے ہے، نہ لکھا۔ بنا علیہ پادریوں کو جرأت زیادہ ہوئی اور انھوں نے کئی رسالے بدیں مضمون کے لکھ کر چھاپ کر مشہور کیا کہ عقیدہ ہندو و مسلمانوں کا محض باطل ہے ......

اس لیے ہیچ مداں نے ایک کتاب مدلل بابطال و رد مذہب نصرانی کے و اثبات مذہب اہل اسلام کے تصنیف کر کے بصرف ایک ہزار پانچ سو روپے کے پانچ سو نسخے چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کیا و نام اس کا تحفۂ مسیحہ رکھا۔" [۵۱]

مولوی آل حسن موھانی

مولوی آل حسن موہانی بن غلام سعید خاں قصبہ موہان (ضلع اناؤ) میں پیدا ہوئے۔ مولوی جعفر علی کسمنڈوی علم حاصل کیا۔ اس کے بعد انگریزی عدالت میں ملازمت کر لی۔ کچھ مدت حیدرآباد دکن میں بھی ملازم رہے۔ تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں انتقال ہوا۔ [۵۲]
مولوی آل حسن کو عیسائیوں سے مناظرہ میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ سب سے پہلے تحریری

---

[۵۱] ملاحظہ ہو "بہار میں اُردو زبان و ادب کا ارتقاء" از اختر اورینوی صفحہ ۳۷۳-۳۷۷ (۱۹۵۷ء)

[۵۲] مولوی آل حسن کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو "فرنگیوں کا جال" از امداد صابری صفحہ ۲۳۹-۲۴۳ (دہلی ۱۹۴۹ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناظرہ مولوی آل حسن اور پادری فنڈر کے درمیان ہوا - یہ مناظرہ ۲۲ جولائی ۱۸۴۴ء سے شروع ہوا اور ۲ فروری ۱۸۴۵ء تک جاری رہا - کل مراسلوں کی تعداد گیارہ ہے جو طرفین سے سوال و جواب کی صورت میں لکھے گئے ہیں - مناظرہ کی ابتدا پادری فنڈر کی طرف سے ہوئی - کافی بحث و تمحیص کے بعد جب پادری فنڈر نے یہ مان لیا کہ محال عقلی عام نہیں ہے تو مولوی آل حسن نے اس مراسلت کا اختتام مندرجہ ذیل خط لکھ کر ۴ فروری ۱۸۴۵ء کو کر دیا :-

"اگر آپ[1] اب بھی میری بات کو نہیں سمجھ سکے یا سمجھ سکتے ہیں مگر ویسے ہی جواب دینے والے ہیں جیسے کہ اپنے سابقہ خطوط میں دیئے چکے ہیں کہ قاعدہ محال عقلی عام نہیں ہے تو میں آپ سے جواب نہیں مانگتا بلکہ صرف اتنی عرض کرتا ہوں کہ مجھے آپ سے کچھ گنجائش مناظرہ کی نہیں ہے اور نہ آپ کو مجھ سے - اور اس بات کا امیدوار ہوں کہ جہاں اگلی تحریریں چھپی ہیں اس کے آخر میں یہ خط بھی چھپے تاکہ ہر سمجھ دار آدمی جان جانے کہ بات کس کی درست ہے"

۴ فروری ۱۸۴۵ء "آل حسن"

مولوی آل حسن تصانیف کثیرہ کے مالک تھے ، ان کی تصانیف میں سب سے لاجواب کتاب "استفسار" ہے جو نہایت تحقیق اور محنت سے لکھی گئی ہے ، اس کتاب میں پادری فنڈر کی کتاب "میزان الحق" (مطبوعہ ۱۸۴۳ء) اور پادری اسمتھ کی کتاب "تحقیق دین حق" (مطبوعہ ۱۸۴۲ء) کے جوابات بڑے معقول انداز میں دیئے گئے ہیں - اور ان پر اعتراض بھی کیے ہیں - حق یہ ہے کہ آج تک عیسائی اس کتاب کے جواب سے عاجز رہے - یہ کتاب ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی ہے[2] کتاب کے آغاز میں مولوی آل حسن لکھتے ہیں :

---

[1] فرنگیوں کا جال صفحہ ۱۴۰ - ۱۴۲ ۔

[2] مولوی امداد صابری نے لکھا ہے کہ استفسار ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں طبع ہوئی مگر ہمارے پیش نظر ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء کا مطبوعہ نسخہ ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاننا چاہیے کہ دولت انگلشیہ کے کسی قانون سے دین کے مباحثے کی مخالفت نہیں پائی جاتی ہے اور پادری لوگ رسالے لکھ لکھ کر بانٹا کرتے ہیں اور اہل علم مسلمانوں کو جواب لکھنے کی تاکیدیں کیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب لکھی گئی اس طرح پر کہ تالیف کرنے والا اپنے طور پر بعض باتیں بیان کرتا ہے اس ارادے سے کہ عیسائی لوگ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اور جواب دیتا ہے اون کے اعتراضوں کا اس ارادے سے اوس کا جواب الجواب اون کے پاس گیا ہے۔ اور وہ مشتمل ہے اٹھارہ استفساروں پر اس لیے اس کا نام استفسار ہے۔" [۱]

مولوی آل حسن کلام الٰہی کی بحث میں لکھتے ہیں:

"آٹھویں صفت:- اس کلام کو اولاً اون ہی نے لکھا ہو جنھوں نے اسے خود صاحب رسالتؐ سے سُنا اور یہ لکھنا اون کا اوس طرح باسناد متصلہ متکاثرہ ثابت ہو جس طرح اون کا اس زمانے میں ہونا نہ یہ کہ صرف اس بات کا دعوٰی ہی دعوٰی ہو اور سند صحیح متصل ایک بھی نہ ہو جیسا کہ اسرائیلی ملّت والوں کا اپنی اپنی آسمانی کتابوں کی نسبت دعوٰی ہے۔" [۲]

---

[۱] استفسار از مولوی آل حسن موہانی صفحہ ۳ (مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۱ھ)

[۲] استفسار صفحہ ۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوسلمان شاہجہانپوری

مولانا عبیداللہ سندھی کا ایک ترجمان
پروفیسر محمد سرور جامعی

(۳)

یورپین لباس

اس مبحث کی چند سطریں لکھ چکا تھا کہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا ایک مضمون نظر سے گزرا۔ اس میں انھوں نے یورپین لباس اختیار کرنے کے بارے میں مولانا سندھیؒ کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے، اس سے مولانا مرحوم کی بصیرت اور دوربینی کا نقش دل پر ثبت ہوگیا۔

مولانا اکبرآبادی لکھتے ہیں:

"آپ (مولانا سندھی) فرماتے تھے کہ اٹھارھویں صدی سے قبل یورپ میں ہندوستان کی طرح ڈھیلے ڈھالے لباس پہنے جاتے تھے۔ لیکن جب وہاں صنعت و حرفت کی ترقی کا دور شروع ہوا تو اس کی مناسبت سے زیادہ چست اور مستعد لباس پہنا جانے لگا جو آج ہر جگہ رائج ہے۔ پس اگر ہندوستان اور اب پاکستان کو بھی صنعتی ملک بننا ہے اور لازمی طور پر بننا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی پرانی وضع کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو خیرباد کہے اور یورپ کا لباس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنے ...... اس سلسلے میں مولانا جو ایک اہم نکتہ بیان کرتے تھے اس کا ذکر ضروری ہے۔ فرماتے تھے کہ "مغربی نیشنل ازم کا اختیار کرنا خاص مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اور بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بعد ہندوستان کے تہذیبی تعصبات مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے سے دست و گریباں نہیں ہوں گے۔ ورنہ اگر ایسا نہیں ہوا تو آزادی کے بعد دونوں فرقوں میں تہذیبی جنگ شروع ہو جائے گی اور چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لیے ان کو شکست ماننی پڑے گی۔ ہندو کہیں گے کہ مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور کلچر اختیار کرنا چاہیے اسی وقت وہ صحیح معنی میں ہندوستانی ہو سکتے ہیں۔ مسلمان کچھ دن اس کی مخالفت کریں گے لیکن آخر انھیں شکست ہوگی اور پھر وہ ہندو کلچر اور تہذیب کو اختیار کر کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے اس سے ان کی خودی فنا ہو جائے گی۔ اس لیے دھوتی اور پاجامہ، چپل اور جوتا، کرتا اور شیروانی کے نزاع کو حل کرنے کی بہتر صورت یہی ہے کہ دونوں کو ہی خیرباد کہہ دیا جائے اور ترکی کی طرح اپنا قومی لباس بھی مغربی لباس بنا لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو اور مسلمان معاشرت اور لباس کے اعتبار سے ایک ہو جائیں گے اور ...... ان کو یہ خیال نہیں ستائے گا کہ ہندوؤں نے تہذیبی اعتبار سے مسلمانوں کو فتح کر لیا اور اس پر اپنے کلچر کی گرفت کو مضبوط کر دیا ہے۔"[1]

مولانا سندھی کا یہ مقصد کبھی نہیں تھا کہ یورپین کلچر کو بالکل اسی شکل میں اختیار کر لیا جائے جیسا کہ وہ یورپ میں ہے بلکہ مولانا چاہتے تھے کہ اس میں اسلامی اصول و آدابِ معاشرت کے مطابق تبدیلی کے بعد اختیار کیا جائے۔ اس مقام پر اس معاملے میں مولانا

---

[1] سعید احمد اکبر آبادی "مجذوب سندھی کی چند الہامی باتیں" برہان دہلی، اپریل ۱۹۵۰ء صفحہ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھی مرحوم سے ہمارا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلۂ بحث میں مولانا سعید اکبرآبادی لکھتے ہیں:

"مولانا کا خیال تھا کہ مسلمان اسلامی آداب معاشرت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے مغربی کلچر کو بہ آسانی کسی قدر تراش و خراش کے ساتھ اختیار کر سکتے ہیں"۔ سلہ

یہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ یورپ کے مزدور کا لباس اپنانا چاہتے تھے۔ جنٹلمینی نہ تھی۔

اسلام اور قومیت

قیام پاکستان سے قبل ایک اہم مسئلہ اسلام اور ہندوستانیت کی تطبیق کا تھا۔ عام مسلمانوں اور مسلم لیگ کے رہنماؤں حتیٰ کہ مولانا محمد علی جوہر کو بھی ان دونوں انتہاؤں میں اعتدال کی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ ان کے نزدیک اسلام کو کسی خاص دائرے اور قومی حدود میں لانا اس کے تقدس اور ہمہ گیری کے خلاف تھا اور قومیت کی اسلام کے دائرے میں گنجائش نہ نکل سکتی تھی۔ پاکستان کی تحریک میں جذباتی سطح پر ایک اہم عنصر یہی ذہنی کشمکش تھی، پاکستان کو اس کا حل اور مداوا سمجھا گیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جونہی جذبات کی گرد دور ہوئی، فوراً اندازہ ہو گیا کہ یہ مسئلہ جوں کا توں بلکہ کچھ زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہے۔ پہلے مسئلہ اسلام اور ہندوستانیت (یا ہندی قومیت) میں تطبیق کا تھا، اب وہ پریشان ہیں کہ سندھی، پنجابی، بلوچی، پختون قومیتوں کو اسلام کے دائرے میں کیونکر لایا جائے؟

پریشانی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلم قومیت کے اعلیٰ تصور میں انھیں قومیت کے لیے گنجائش نظر نہیں آتی، دوسری طرف صرف اسلام کے سوا زبان، تہذیب، ثقافت، معاشرت میں ایک دوسرے سے جو اختلافات ہیں ان کا انکار ممکن نہیں۔ ایک

سلہ "برہان" دہلی صفحہ ۲۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف تو وہ ان دلائل کو چھوڑنے اور فکر و نظر کے اس سرمائے سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں جس سے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے اتحاد اور تحریکِ پاکستان کے بیڑے کو منجدھار سے نکالنے کا کام لیا تھا۔ دوسری طرف اپنے ہی ملک کی مختلف لسانی تہذیبی اکائیوں کو اور ان قدرتی امتیازات کو جو زبان، نسل، ماحول، سماجی تہذیبی روایات نے پیدا کر دیئے ہیں، نظر انداز کر دینے اور ان کے وجود سے انکار کر دینے کا ان حضرات کے پاس جواز ہے اور نہ اس کا کوئی حل ہے۔ ان کے ذہن واماندہ اور عقلیں حیران ہیں۔ وہ اس کڑوے گھونٹ کو نہ حلق سے نیچے اتار سکتے ہیں اور نہ تھوک دینے کی ہمت ہے۔

مولانا سندھی مرحوم کے ذہن میں اس مسئلے میں کوئی الجھن نظر نہیں آتی۔ وہ انسان کی کسی علاقے سے وابستگی اور اس کے اعلان و اظہار کو اسلامیت یا اسلامی قومیت کے اعلیٰ تصور کے خلاف نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اعلیٰ اسلامی فکر اور قومیت میں وہی تعلق ہے جو دماغ اور جسم میں ہوتا ہے۔ دماغ کی ترقی کے لیے جسم کا انکار لازم نہیں آتا۔

سرور صاحب لکھتے ہیں:

> ایک بار جامعہ ملیہ اسلامیہ ہی میں قومیت، وطنیت اور کسی علاقے یا سرزمین سے ایک آدمی کے تعلق رکھنے اور وہاں کے ہونے کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا فرمانے لگے: "دیکھو ایک میرا دماغ ہے، دوسرا میرا جسم ہے۔ اگر میرے دماغ کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ میں اپنے جسم کا انکار کروں تو ایسی ترقی مجھے قبول نہیں۔ یہ ترقی میری ذات کی نفی ہے۔ میں سندھی یا پنجابی ہوں اور یہاں دہلی میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس کام کے لیے مجھے اپنے سندھی یا پنجابی ہونے کا انکار کرنا پڑے تو میں اس کام کو اپنی ذاتی ہلاکت سمجھوں گا۔ ہر حال میں میرے وجود کا اثبات ضروری ہے۔"[۵]

۵؎ افادات و ملفوظات صفحہ ۱۳۲-۱۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستانی قومیت

مولانا سندھی مرحوم کے افکار کے سلسلے میں قومیت کی بحث نہایت اہم بحث ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کے خیال کی تھوڑی سی مزید وضاحت کر دی جائے۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

> "اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قومیت سے ہماری مراد نیشنلزم نہیں ہے جس کی وجہ سے قومی عصبیت کا نشو و نما ہوتا ہے اور ایک قوم اپنے مقابلے میں دوسری قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے اسلام قومیت کا شدید دشمن ہے اور خود مولانا سندھی بھی اس نیشنلزم کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ موصوف کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے جو "وحدت انسانیت" کے زیر عنوان نقل ہوئے ہیں۔"[۵۱]

اس کے بعد بتایا ہے کہ قومیت دراصل ہے کیا؟ لکھتے ہیں:

> "قومیت سے مراد وہ عادات و خصائل ہیں جو کسی ایک جماعت کا شعار بن گئے ہوں اور ان کی وجہ سے وہ جماعت دوسری جماعتوں یا قوموں کے مقابلے میں ممتاز سمجھی جاتی ہو۔ دوسرے لفظوں میں قومیت کو قومی مزاج سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مولانا سندھی کا دعویٰ ہے اور بالکل بجا ہے کہ اسلام قومی مزاج کا لحاظ رکھتا ہے۔"[۵۲]

مولانا سندھی مرحوم کے افکار کا ماخذ چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں اس لیے مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "تفہیماتِ الٰہیہ" کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اسلام واقعی قومی مزاج کا لحاظ رکھتا ہے، نہ کہ اسے رد کرتا ہے۔[۵۳] اس کے بعد ہمیں دیکھنا چاہیے کہ "ہندوستانی قومیت" سے

---

۵۱ و ۵۲ سعید احمد اکبرآبادی "مولانا عبید اللہ سندھیؒ" برھان دہلی جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۵۳، صفحہ ۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سندھی مرحوم کی کیا مراد تھی ؟ مولانا اکبرآبادی لکھتے ہیں :

"مولانا (سندھی) یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ جب تک ہندوستان کی یہ دونوں بڑی قومیں کسی ایک محاذ پر جمع نہیں ہوں گی ان کے سیاسی اور وطنی مسائل کی گتھی سلجھ نہیں سکے گی ۔ اس مشترکہ محاذ کا نام مولانا "ہندوستانی قومیت" رکھتے ہیں .... اس کا مفاد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمان باوجود اس ملک کی الگ الگ دو قوموں میں منقسم ہونے کے بہرحال ایک وطنی اشتراک رکھتے ہیں اور اس اشتراک کی بنا پر اس ملک اور وطن کا جو مطالبہ ہندوؤں سے ہے وہی مسلمانوں سے بھی ہے اور انھیں اس مطالبے کا جواب دینا چاہیے" ۔ ۵۱

لیکن مولانا اس مقصد کے لیے ہندوستانی قومیت کا ایسا معجون مرکب تیار کرنا نہیں چاہتے جس میں مسلمانوں کے اسلامی خصائص و خصائل اور ملی امتیازات ختم ہو جائیں بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے الفاظ ہیں :

"ہندو اور مسلمان دونوں مل کر کام کریں اور ان کی صرف ایک سیاسی تنظیم ہو، لیکن اس سیاسی تنظیم میں کسی مذہبی گروہ کا غلبہ نہ ہو" ۔ ۵۲

ایک تاریخی حقیقت

اس بات کو سمجھنے کے لیے اس تاریخی حقیقت کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے ۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد ولی اللٰہی فکری تحریک دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی ۔ ایک گروہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سربراہی میں منظم ہوا ۔ اس نے

---

۵۱ سعید احمد اکبرآبادی "مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد" لاہور سندھ ساگر اکادمی ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۲

۵۲ صفحہ ۴۴ ایضاً ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ دوسرا گروہ سرسید احمد خان کی قیادت میں منظم ہوا۔ یہ علی گڑھ پارٹی کہلائی۔ اس نے علی گڑھ میں مدرسہ قائم کیا۔ علی گڑھ پارٹی نے برٹش استعمار سے تعاون کیا اور اس طرح اس نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ دیوبندی پارٹی نے عدم استعداد کے باوجود انگریزوں سے تعاون نہیں کیا، اس نے فکر کی پستی کو قبول نہ کیا۔ البتہ اپنا دائرہ کار انقلابی و عملی سیاست کے بجائے حالات و مصالح کے مطابق انقلابی سیاسی فکر کی حفاظت اور علمی بنیادوں پر تحریک کی توسیع تک محدود رکھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد تحریک کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں ۔۔۔۔۔۔ تحریک کی قیادت کی باگ ڈور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے ایک انقلابی قدم اٹھایا اور علی گڑھ پارٹی کے انقلابی نوجوانوں مثلاً مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ۱۹۱۳ء میں جب مولانا سندھیؒ نے اپنے انقلابی تعلیمی مرکز "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے دہلی میں قائم کیا تو اس کے سرپرستوں میں نواب وقار الملک کو شامل کر کے دیوبند اور علی گڑھ پارٹی کے تعلقات کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس وقت تک ہندوؤں سے ملنے اور ان کے تعاون سے ہندوستان کو آزاد کرانے کا رجحان پیدا نہیں ہوا تھا۔ جنگ عظیم کے خاتمے اور ترکی کے حصے بخرے ہونے تک حضرت شیخ الہندؒ اسی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوؤں کو نظر انداز کر کے ہندوستان میں صرف مسلمانوں کو متحد کیا جائے اور بیرونی اسلامی ممالک ترکی، افغانستان وغیرہ کی مدد سے ہندوستان آزاد کرا لیا جائے لیکن ترکی کی شکست کے بعد انھیں اپنے اس مسلک پر نظرثانی کرنی پڑی اور بعد میں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ جب تک ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں ملک کی اکثریت ہندوؤں کو ساتھ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

"مولانا شیخ الہندؒ کی یہ کوششیں جاری تھیں کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اور انگریزوں کی طرف سے دولت عثمانیہ کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ طبعاً شیخ الہندؒ کی جماعت نے انگریزوں کے خلاف ترکوں کی مدد کی اور اس سلسلے میں ان کو اور ان کی جماعت کو سخت مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ دولتِ عثمانیہ کی شکست کے بعد ولی اللّٰہی تحریک کا یہ رجحان کہ عالم اسلامی کی مدد کرے یا ان کی مدد لے کر ہندوستان میں مسلمانوں کے قومی وجود کو تقویت دی جائے ناقابل عمل ہو گیا۔ چنانچہ اس جماعت کو مجبوراً اپنا مسلک بدلنا پڑا اور اس کو اسی میں مصلحت نظر آئی کہ اب جب کہ کوئی بین الاقوامی اسلامی مرکز نہیں رہا، ہندوستان کی آزادی کے لیے غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ان کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد ہو۔ اسی خیال کے ماتحت مولانا محمود حسن نے اپنی جماعت کو کانگریس میں شرکت کی اجازت دی۔ یہ ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے اور یہاں سے اسلامی ہند کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔"[51]

مولانا سندھی مرحوم کی "ہندوستانی قومیت" صرف یہ ہے کہ ملک کی آزادی اور تعمیر و ترقی کے لیے تمام اہل ملک متحدہ طور پر کوشش کریں اور آزادی کے بعد ملک کے اندر مشترکہ مفاد کے لیے کام کریں۔ اس کا انھیں ۱۹۱۶ء میں امیر حبیب اللہ خان نے کابل میں مشورہ دیا تھا۔[52] اور یہ وہی حقیقت ثابتہ ہے جس کی طرف قائد اعظم نے قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلے توجہ فرمائی اور اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ پاکستان میں دو یا کئی قومیں بستی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر قانون کی نظر میں برتری حاصل ہے۔ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ پاکستان میں صرف ایک قوم بستی ہے اور

---

۵۱ محمد سرور، پروفیسر "مولانا عبیداللہ سندھی: حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار" لاہور، سندھ ساگر اکادمی ۱۹۶۶ء صفحہ ۳۹۱-۳۹۲

۵۲ مولانا عبیداللہ سندھی "کابل میں سات سال" سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۵

© rasailojaraid.com

وہ ہے پاکستانی قوم[1]

مرحوم قائد اعظم کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہندو اپنے مذہبی اور تہذیبی خصائص چھوڑ کر مسلمانوں میں ضم ہو جائیں بلکہ صرف یہ مقصد تھا کہ ملک کے قانون کی نظر میں ہندو مسلمان یا مسلمان اور کسی دوسری قوم میں کوئی تفریق نہ ہوگی اور محض اکثریت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان قانون کی نظر میں قابل رعایت نہ ہوں گے۔

اگر انصاف سے اور سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر سے کام لیا جائے تو اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی کہ اس حقیقت پسندانہ تصور نے ملک کو آزادی کی منزل سے قریب کر دیا۔ ورنہ اگر علی گڑھ پارٹی کی قیادت پر انحصار کیا جاتا تو نہ صرف ہندوستان پاکستان میں بلکہ ایشیا و افریقہ کے ممالک سے برٹش استعمار کے جبر و تسلط کا طلسم کبھی نہ ٹوٹتا۔ ملک میں آزادی کا سورج کم از کم ابھی تک تو ہرگز طلوع نہ ہوا ہوتا اور مسلمان ابھی تک جداگانہ حقوق اور ان کے تحفظ کی سطح سے بلند نہ ہوئے ہوتے۔ آج بھی ہم اس حقیقت پسندانہ تصور کو اپنائے بغیر ملکی تعمیر و ترقی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے۔

کانگریس اور ہندو جارحیت

کانگریس اور کانگریسی لیڈروں اور ان کے افکار و کردار کا تذکرہ اور تجزیہ اس کتاب میں کثرت سے آیا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے ان کے متعلق بڑے معنی خیز اشارے کیے ہیں۔ ایک جگہ کانگریس سے مسلمانوں کی بیزاری اور کانگریس کے نصب العین نیشنل ازم، پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی کی فراخ دلی، بے تعصبی اور کانگریس میں ان کی بلند پوزیشن کے باوجود، اس پر ہندو ازم کے جارحانہ رویئے اور ہندویت کے غلبے کی نہایت فکر انگیز توجیہ کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"کانگریس کے تیز گام اور فلاسفر لیڈروں نے انٹرنیشنل ازم کو سامنے رکھ کر ہندوستانی مسلمانوں کے معاملے میں نیشنل انصاف سے

۱۔ بولیتھو، ہیکٹر: جناح کریئیٹر آف پاکستان صفحہ ۱۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تغافل برتا۔ اس طرح ہندوازم کی جارحانہ اکثریت کے لیے انھوں نے کانگریس کے نام سے راستہ صاف کر دیا۔ اس حرکت نے معاملہ کو بد سے بدتر بنا دیا۔[51]

اگر اس کے ساتھ پروفیسر محمد سرور صاحب کی تشریح کو بھی ملا لیا جائے تو اس عبارت کا ابہام دور ہو جاتا ہے اور اس کی معنی خیزی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ سرور صاحب لکھتے ہیں:

"جواہر لال کانگریس کا تیز گام لیڈر ہے اور مہاتما جی فلاسفر۔ اول الذکر بین الاقوامی سیاسیات کے پیچ و خم میں زیادہ الجھا رہتا ہے اور ملک کے ٹھوس داخلی مسائل کو نظر انداز کرتا ہے۔ اس کا یا تھ بین الاقوامی سیاست کی نبض پر تو ضرور ہوگا لیکن ہندوستان کے اندر نچلی سطح پر مفادات کی جو کشمکش جاری ہے، اسے وہ قابل التفات نہیں سمجھتا۔ دوسری طرف مہاتما گاندھی ہیں، وہ اہنسا (عدم تشدد) ہمہ گیر انسانیت اور اس کی اعلیٰ قدروں کی بلند نظر وسعتوں میں رہتے ہیں۔ اور مقامی حالات کی ٹھوس اور محدود دمعین حقیقتوں کی طرف نہیں آتے۔ ان آفاق گیریوں اور بلند پروازیوں کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ سردار پٹیل کا تسلط کانگریس کے انتظامی شعبوں میں بڑھتا جا رہا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کے زیر اثر ہندو سرمایہ دار اور زردار طبقے ہیں، دوسرے اسے کانگریس کے اندر اور کانگریس کے باہر کے فرقہ پرست ہندوؤں کی مکمل حمایت حاصل ہے۔"[52]

شخصیات

کتاب کا آخری باب شخصیات کے بارے میں مولانا سندھی مرحوم کے افادات و ملفوظات

---

[51] و [52] افادات و ملفوظات صفحہ ۱۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مشتمل ہے، اس میں مستقلاً تو حضرت مجددؒ الف ثانیؒ سے لے کر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم تک کل نو شخصیتوں کا تذکرہ ہے لیکن ضمناً اس باب میں اور کتاب کے دوسرے ابواب میں پچاسوں شخصیتوں کا تذکرہ آیا ہے اور بعض شخصیتوں مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ تو اس تفصیل کے ساتھ آیا ہے کہ اگر اسے ایک جگہ کر دیا جاتا تو مستقل طور پر زیر بحث کسی شخصیت سے کم نہ ہوتا۔ اور ان شخصیتوں میں مسلم اور غیر مسلم ہر طرح کی شخصیتیں ہیں، جہاں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید بریلوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، سر سید احمد خان، مولانا محمد علی، علامہ اقبال وغیرہ ہیں وہیں پنڈت جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی اور بعض قادیانی اکابر بھی ہیں۔ شخصیات کے بارے میں ان کا مطالعہ بالکل بے لاگ ہے، اس معاملے میں انہوں نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی ہے، جہاں خوبیوں کا اعتراف ہے انھوں نے گاندھی جی، پنڈت نہرو اور حکیم نورالدین بھیروی کی خوبیوں کا اعتراف بھی بلاخوف لومۃ لائم کیا ہے۔ اور جہاں تک تنقید کا تعلق ہے انھوں نے نہ تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو بخشا ہے اور نہ علامہ اقبال کو معاف کیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کا تذکرہ پڑھتے ہوئے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بلاشبہ ان کی زندگی، سیرت اور شاعری کا وہ پہلو ہے جس کی طرف مولانا سندھیؒ نے اشارہ کیا لیکن اسلام، حریت اور خودی کے ترجمان اقبال کے بارے میں ہمارے تصور پر اس سے زد پڑتی ہے۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر سے ہماری عقیدت بھی مجروح ہوتی ہے۔ جب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں دوسرے ہندو مسلمان رہنماؤں کے مقابلے میں مولانا محمد علی کے سیاسی اختلاف و تنقید کی سطح جذبات اور ذاتی پسند ناپسند سے بہت زیادہ بلند نہیں ہو سکی۔ انھوں نے دلائل کے بجائے منطق سے، اور تدبر کے بجائے جوش و جذبات سے مسائل پر نظر ڈالی ہے۔

ہمارے نزدیک تو منطق اور جوش و جذبات کا بھی ایک مقام ہے اور اس لحاظ سے مولانا محمد علی سیاست میں ایک خاص امتیاز کے مالک ہیں۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی علمی و فکری شخصیت کی تعمیر دوسرے قسم کی مٹی سے ہوئی ہے۔ وہ محض منطق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صرف جذبات سے مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ وہ ہر بات کے لیے ایک طرف تو عقل و حکمت کی ٹھوس اور پختہ بنیاد تلاش کرتے ہیں، دوسری طرف ان کی نظر ہر بات کے عملی نتائج پر مرکوز رہتی ہے۔

اسی طرح قائدِ اعظم کے بارے میں بھی بعض باتیں آتی ہیں لیکن یہ مسائل و افکار کا فلسفیانہ تجزیہ اور تاریخ ہے اور اس منزل سے ہم جب بھی گزریں اور اس سے گزرے بغیر چارہ نہیں تو یہ ناگوار فرض بھی ہمیں انجام دینا ہی پڑے گا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ مولانا سندھیؒ قائدِ اعظم کے معاصر اور تحریکِ آزادی اور انقلابی سیاست میں ان سے آگے تھے۔ ملک کی آزادی اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے انھوں نے بیش بہا قربانیاں دی تھیں اور اپنے آپ کو خطرات میں ڈالا تھا ان کے مقابلے میں ہم قائدِ اعظم سے ارادت کا رشتہ اور مقلدانہ تعلق رکھتے ہیں اس لیے مرحوم قائدِ اعظم کے بارے میں ہمارا اور مولانا سندھیؒ کا نقطۂ نظر، اندازِ بیان اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہو سکتا۔

ضمنی طور پر ایک جگہ غلام احمد پرویز کا ذکر بھی آگیا ہے۔ پرویز صاحب انگریزی حکومت سے کمال درجہ وفاداری اور اطاعت شعاری کے ساتھ جس ذوق و ولولہ سے تحریکِ پاکستان میں شریک ہوئے وہ ان کی عظمت کے لیے کافی ہے۔ ان کی شخصیت اور افکار میں مطالعے کا کچھ کم ذرد سامان نہیں۔ لیکن یہاں صرف مولانا سندھی کے افکار پیشِ نظر ہیں۔ واضح رہے کہ سرور صاحب نے، ان کے نام کے اظہار سے زبانِ قلم کو آلودہ نہیں کیا۔ پرویز صاحب ایسی شخصیت نہیں کہ ان کے بارے میں فاضل مؤلف یہ رویہ اختیار کریں۔ بہر حال قلم سرور صاحب کے ہاتھ میں تھا اور اس بات کا فیصلہ انھیں کو کرنا تھا کہ ان کا نام لیا جائے یا صفحۂ کتاب کو اس آلودگی سے بچایا جائے۔ سرور صاحب لکھتے ہیں:

> ایک صاحب جو برسوں سے قرآن مجید کا درس دے رہے تھے اور انھوں نے قرآن مجید پر بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے سالہا سال تک قرآن اور اسلام کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف بڑی بڑی مہمیں چلائیں اور جب مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھی، واپس وطن آئے تو ان کی مخالفت میں بھی جی بھر کر لکھا۔

ایک دفعہ ان صاحب کی مولانا سے جامعہ نگر میں ملاقات ہو گئی۔
اور آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ موصوف بات بات پر قرآن کی کسی
بات کا حوالہ دیتے۔ مولانا نے انھیں کہا کہ اپنی بات کیجیے اور قرآن
کے حوالے نہ دیجیے۔ وہ پھر کسی آیت کا حوالہ دے دیتے۔ اس پر
مولانا بگڑ گئے اور بڑے غصے میں کہنے لگے کہ "تم ایسی غیر مؤثر کتاب
کا حوالہ کیوں دیتے ہو کہ اسے تم برسوں سے پڑھ رہے اور اس کا
درس دے رہے ہو، وہ تم سے انگریز کی نوکری تک نہیں
چھڑا سکی"۔ [۱]

قرآن حکیم کی "مؤثر" حیثیت کا اندازہ مولانا سندھی مرحوم کے بیان سے ہو جاتا ہے یا اس کے اثرات موصوف کی زندگی میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ پرویز صاحب کے نزدیک قرآن کے تمام مضامین ابوالکلام اور کانگریس کی مخالفت، مسلم لیگ کی حمایت اور برٹش حکومت کی غیر مشروط وفاداری کے گرد گھومتے ہیں۔ ابوالکلام کی مخالفت بھی دراصل کانگریس کی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ گویا کہ اصل نزاع کانگریس اور مسلم لیگ کا تھا۔ اور کانگریس اور مسلم لیگ کی لڑائی بقول مولانا سندھی "ایک لبرل لیڈر کے انتقامی جذبے کا مظاہرہ ہے"۔ [۲]

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی ظرافت

کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی، ان کی جماعت اور پنجاب میں اس کے فروغ و اثرات کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ تجزیہ دلچسپ ہے۔ خصوصاً یہ بحث کہ مولوی حکیم نورالدین باوجودیکہ مرزا غلام احمد سے علم و فضل میں برتر تھے لیکن وہ کیا نفسیاتی عوامل تھے جن کی وجہ سے وہ مرزا صاحب کے حلقہ بگوش ہونے پر مجبور ہو گئے یا اسی طرح بعض دیگر معتقدین

---

[۱] افادات و ملفوظات صفحہ ۱۲۵ [۲] ایضاً صفحہ ۱۳۸

© rasailojaraid.com

الولی حیدر آباد

جو خلیفہ قادیان کے کاردیگر سے واقفیت رکھنے کے باوجود ان کے ا...

اس کے اسباب کیا تھے؟

مولانا عبیداللہ سندھی ایک انقلابی اور خالص عملی انسان تھے۔ ان کے یہاں ادبی ذوق، حسِ لطیف اور ظرافت کا عنصر بہت کم نظر آتا ہے لیکن مرزا صاحب کے مضحکہ خیز دعاوی پڑھ کر ان کی رگ ظرافت بھی بھڑک اٹھی۔ مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعے کے بعد انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> "میری جوانی کا زمانہ تھا، دیوبند سے فارغ ہو کر سندھ میں اپنے بزرگوں کے ساتھ رہتا تھا اور کچھ رُوحانی ریاضتیں کر رہا تھا۔ مجھ تک مرزا غلام احمد اور ان کی دعوت کی خبریں پہنچیں۔ میں نے ان کی کتابیں منگوائیں اور انھیں پڑھ ڈالا...... انھیں پڑھ کر میرا تاثر یہ تھا:
>
> ۱۔ مجھ میں مرزا غلام احمد سے زیادہ نبی بننے کی صلاحیتیں ہیں۔
>
> ۲۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ عہد کیا کہ عوام میں کبھی تقدس کا جامہ پہن کر یا مقدس بن کر نہیں جاؤں گا۔"[۱]

مُلک کی تقسیم

مولانا مرحوم چونکہ ایک انقلابی، مدبّر اور مفکّر تھے اور ملک کی آزادی کے لیے انھوں نے شدید مصائب اور غربت و جلاوطنی کی تکالیف اٹھائیں تھیں، اس لیے ملک کی آزادی اور ہندو مسلم مسئلہ اور اس کا حل ان کے غور و فکر اور نظر و تدبر کا خاص موضوع رہا تھا۔ اس لیے افادات و ملفوظات کا بیشتر حصہ سیاسی مسائل و افکار کے تجزیے میں ہے اور چونکہ یہ تجزیہ ایک ایسے ذہن و دماغ کا ہے جس نے مِن کُلِّ الوُجوہ کسی جماعت کو بھی صحیح نہیں سمجھا تھا اور جس کا ذہن و دماغ کسی مخصوص جماعت کی سیاسی پالیسی اور مفاد و مصالح کا پابند نہ تھا اس لیے یہ تجزیہ بے لاگ بھی ہے اور چونکہ تاریخ نہیں تجزیہ ہے اس

۱؎ افادات و ملفوظات صفحہ ۳۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو خلیفہ قادیان کے کاروبار سے واقفیت رکھنے کے باوجود ان کے اطاعت گزار تھے، اس کے اسباب کیا تھے؟

مولانا عبیداللہ سندھی ایک انقلابی اور خالص عملی انسان تھے۔ ان کے یہاں ادبی ذوق، حسِ لطیف اور ظرافت کا عنصر بہت کم نظر آتا ہے لیکن مرزا صاحب کے مضحکہ خیز دعاوی پڑھ کر ان کی رگ ظرافت بھی بھڑک اٹھی۔ مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعے کے بعد انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> "میری جوانی کا زمانہ تھا، دیوبند سے فارغ ہو کر سندھ میں اپنے بزرگوں کے ساتھ رہتا تھا اور کچھ روحانی ریاضتیں کر رہا تھا۔ مجھ تک مرزا غلام احمد اور ان کی دعوت کی خبریں پہنچیں۔ میں نے ان کی کتابیں منگوائیں اور انھیں پڑھ ڈالا...... انھیں پڑھ کر میرا تاثر یہ تھا:
>
> ۱۔ مجھ میں مرزا غلام احمد سے زیادہ نبی بننے کی صلاحیتیں ہیں۔
>
> ۲۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ عہد کیا کہ عوام میں کبھی تقدس کا جامہ پہن کر یا مقدس بن کر نہیں جاؤں گا۔"[۵]

مُلک کی تقسیم

مولانا مرحوم چونکہ ایک انقلابی، مدبّر اور مفکّر تھے اور ملک کی آزادی کے لیے انھوں نے شدید مصائب اور غربت و جلاوطنی کی تکالیف اٹھائیں تھیں، اس لیے ملک کی آزادی اور ہندو مسلم مسئلہ اور اس کا حل ان کے غور و فکر اور نظر و تدبر کا خاص موضوع رہا تھا۔ اس لیے افادات و ملفوظات کا بیشتر حصہ سیاسی مسائل و افکار کے تجزیے میں ہے اور چونکہ یہ تجزیہ ایک ایسے ذہن و دماغ کا ہے جس نے مِنْ کُلِّ الوُجُوہ کسی جماعت کو بھی صحیح نہیں سمجھا تھا اور جس کا ذہن و دماغ کسی مخصوص جماعت کی سیاسی پالیسی اور مفاد و مصالح کا پابند نہ تھا اس لیے یہ تجزیہ بے لاگ بھی ہے اور چونکہ تاریخ نہیں تجزیہ ہے اس

---

[۵] افادات و ملفوظات صفحہ ۳۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے اس سے ہر جگہ اتفاق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض مقامات پر ان کی رائے محل نظر ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص کا یہی نقطۂ نظر ہو اور ہر کوئی اسی نتیجے تک پہنچے۔ اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن میں یہاں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔

۱۹۴۱ء میں مدراس کے ایک مقام کمباکونم میں ایک کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں انھوں نے دو باتوں پر خاص زور دیا:

۱۔ مسلمانوں کو اسلام کے کسی قسم کے بین الاقوامی سیاسی اتحاد کا خیال دماغ سے نکال دینا چاہیے اور ہمیں سوائے اپنے وطن کے دوسرے اسلامی ممالک کی طرف نہ دیکھنا چاہیے ہمیں اپنے ملک کی قیادت پر، اپنے ملک وسائل پر اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا چاہیے عالم اسلامی کا اتحاد، اسلامی بلاک کا قیام وغیرہ نعرے اور تحریکیں درحقیقت ہماری انقلابیت اور خود اعتمادی کے لیے لوریوں اور تھپکیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲۔ دوسری بات جس کی طرف انھوں نے توجہ دلائی ہے یہ تھی کہ مسلمان جن خوش آئند آرزوؤں اور خواہشوں کے ساتھ ملک کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں ان کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ اور جیسے کہ اس وقت حالات تھے مولانا کا خیال بھی یہی تھا کہ "یہ سب باتیں ہوائی ہیں"

قیامِ پاکستان کے مقاصد

جہاں تک پاکستان کے قیام کا تعلق ہے تو تاریخ کا فیصلہ ہمارے سامنے ہے مسلمانوں نے ان تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا جو قیامِ پاکستان کے خلاف کی جا رہی تھیں، آج دنیا کے ملکوں کی برادری میں پاکستان ایک حقیقت ہے، اسے کون جھٹلا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تقسیمِ ملک سے وہ اصلی مقاصد پورے نہیں ہوئے جو تحریکِ پاکستان کے زمانے میں مسلمانوں کے پیش نظر تھے۔ ان کی سب سے پہلی ناکامی تو یہی ہے کہ ان کے پیش نظر جو پاکستان تھا وہ وجود میں نہیں آسکا۔ دہلی تک خطۂ پاک کی حدود تو درکنار پورا پنجاب اور بنگال بھی حاصل نہیں کیا جا سکا۔ اس کے بعد قیام کے اصل مقاصد پر نظر ڈالیے تو مایوسی ہوتی ہے کہ دو آرزوئیں بھی پوری نہیں ہوئیں،

© rasailojaraid.com